حافظ عبدالرشید چیمہ رحمتہ اللہ علیہ
چند یادیں، چند باتیں

حافظ حبیب اللہ چیمہ

دنیا میں ہر انسان جانے کے لیے ہی آتا ہے، مگر وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی زندگی گزار کے جاتا ہے، ایسے انسانوں کے وجود سے دنیا جو خالی ہوتی ہے تو بس خالی ہی ہوتی جارہی ہے اور اسی کا نام قحط الرجال ہے۔ یہ لوگ بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''زمین کا نمک ہوتے ہیں۔'' زمین سے انسان کی زندگی کا جوہر ''پانی'' نکلتا ہے اور اگر پانی نمک سے خالی ہو تو انسان کی حیات نہیں ممات کہلائے گا۔ حضرت حافظ عبدالرشید چیمہ رحمتہ اللہ علیہ بھی بلاشبہ دھرتی کا نمک تھے، آپ نے انسانیت کی خدمت میں ایسی مثال قائم کی کہ ایک سال گزر جانے کے باوجود ابھی تک لوگ اپنے مسیحا کو تلاش کر رہے ہیں۔

حضرت حافظ عبدالرشید ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد حاجی رحمت خاں چیمہ چیچہ وطنی کے نواحی گاؤں بستی سراجیہ کے معروف زمیندار تھے۔ آپ کے دادا حاجی غلام نبی چیمہ ایک خداترس اور نیک صالح انسان تھے، ان کا تعلق خانقاہ سراجیہ (کندیاں شریف) کے بانی حضرت مولانا احمد خاں رحمتہ اللہ علیہ سے تھا۔ گاؤں کے سکول سے پرائمری پاس کرنے کے بعد آپ کے دادا حاجی غلام نبی نے دینی تعلیم کے لیے آپ کو مولانا غلام محمد رحمتہ اللہ علیہ کی مشاورت سے حضرت حافظ احمد الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں دادڑہ بالا (ہڑپہ) بھیج دیا۔ ۱۹۴۱ء میں آپ کے دادا حاجی غلام نبی چیمہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو گھر میں مذہبی جوش وجذبہ ماند پڑنے لگا، لیکن حافظ عبدالرشید رحمتہ اللہ علیہ کے سینہ میں مذہبی لگن گھر کر چکی تھی۔ جس کے لیے آپ گھر سے بھاگ کر مختلف مقامات پر دینی تعلیم حاصل کرتے رہے، جن میں مرشد آباد ضلع بھکر، کندیاں شریف، کچا کھوہ کے قریب موضع دولت پور، دادڑہ بالا (ہڑپہ) جامع مسجد بلاک نمبر۱۲ چیچہ وطنی قابل ذکر ہیں۔ آپ خود بتایا کرتے تھے کہ دوران تعلیم اکثر روٹی کے خشک ٹکڑے پانی میں بھگو کر کھاتا رہا ہوں اور مرشد آباد سے بھکر ریلوے اسٹیشن تک تقریباً ۴۰ کلومیٹر پیدل سفر کرنا پڑتا تھا۔

دینی تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا غلام محمد رحمتہ اللہ علیہ سے طب یونانی کی تعلیم حاصل کی اور قومی طبی بورڈ اسلام آباد سے ڈپلومہ حاصل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد خانقاہ باگڑ سرگانہ کے سجادہ نشین اور خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف

کے فیض یافتہ حضرت حاجی جان محمد رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے کہ آپ کے مرشد حضرت مولانا احمد خاں رحمتہ اللہ علیہ نے ضلع ملتان، ضلع ساہیوال اور ضلع فیصل آباد میں اپنے مُریدین اور حلقہ احباب کی اصلاح اور روحانی تربیت کے لیے آپ کو مقرر کیا ہوا تھا۔ حضرت حاجی جان محمد رحمتہ اللہ علیہ نے حافظ عبدالرشید رحمتہ اللہ علیہ کی خوب سے خوب تر تربیت کی اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں سلوک کی منازل تیزی سے طے کروائیں۔ حضرت حاجی جان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نام لکھے گئے مکتوبات شریف سے بھی پتا چلتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ، حضرت حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے انتہائی اُنس و محبت رکھتے تھے اور سلوک کی منازل طے کرانے کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں خلافت بھی عطا فرمائی تھی۔

۱۹۶۲ء میں حضرت حاجی جان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت حاجی جان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے مرشد حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے تجدید بیعت کر کے دوبارہ سلوک کی منازل طے کیں اور حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ نے بھی آپ کو خلافت عطا فرمائی۔ اس کے باوجود آپ نے آنے والے ساتھیوں کا خانقاہ شریف سے ہی تعلق جوڑا اور سب حضرات کو حضرت خواجہ صاحب سے بیعت کروایا۔ آپ درحقیقت فنافی الشیخ تھے اور خودنمائی سے ہمیشہ بچتے ہی رہتے تھے۔ آپ نے تمام عمر خدمت خلق میں گزار دی۔ خدمتِ دین کے ساتھ ساتھ شعبہ طب میں بھی عوام کی خدمت جاری رکھی۔ آپ کے مطب ''سراجیہ دواخانہ'' پر ہر وقت مریضوں کا رش لگا رہتا تھا۔ ہر مریض کے ساتھ خوش مزاجی سے پیش آتے تھے۔ اکثر مریض علاج کے ساتھ ساتھ اپنے گھریلو مسائل میں مشورے بھی کرتے تھے۔ آپ مریضوں سے معمولی رقم وصول کرتے اور فرماتے تھے کہ مریض سے زیادہ پیسے لینے کی مجھ میں ہمت و جرأت نہیں ہے۔ ایک بار فرمایا کہ اللہ پاک نے مجھ پر اتنا کرم کیا ہوا ہے کہ اگر میں کستوری کی جگہ مٹی کی چٹکی بھی دے دوں تو بھی گاہک اعتماد کرلے گا۔

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت میں آپ نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کی چناب نگر میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں ہر سال شرکت کرتے اور فرماتے تھے کہ کانفرنس سے واپسی پر گھر پہنچنے سے پہلے ہی وہاں کی حاضری کی۔ قبولیت کا پتا چل جاتا ہے، ضلع ساہیوال میں جمعیت علماء اسلام کے بانی ارا کین میں سے تھے اور آخر وقت تک جمعیت علماء اسلام سے وابستہ رہے۔ ملکی حالات میں نشیب و فراز آئے، جمعیت علماء اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کیا گیا تو مقامی لوگ بھی جمعیت چھوڑ کر ادھر اُدھر چلے گئے تو اس وقت بھی حافظ عبدالرشید نے جماعت کا پرچم بلند رکھا اور اس پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ آپ ضلع ساہیوال میں دینی تحریکوں خصوصاً تحریک ختم نبوت کی آبیاری اپنے لیے فرض عین سمجھتے تھے اور اس کے لیے کبھی پیچھے نہیں رہے۔

۱۹۸۰ء میں عالم اسلام کی مایہ ناز مادرعلمی دارالعلوم دیوبند (انڈیا) کے صد سالہ جشن میں اپنے شیخ حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ کی معیت میں حاضری دی۔ آپ نے ۱۹۵۰ء میں اپنے گاؤں میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا نام حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت سے مدرسہ عربیہ رحیمیہ رکھا۔ جہاں قرآنی علوم کے ساتھ ساتھ ضروری دنیاوی تعلیم کا

بھی انتظام ہے۔اسی مدرسہ میں مجلس احرارِ اسلام کے امیر حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ بھی پڑھاتے رہے ہیں۔
حضرت پیر جی فرماتے ہیں جب راقم (حبیب اللہ) پیدا ہوا تو حافظ جی اُٹھا کر میرے پاس لائے اور کہا کہ شاہ جی اسے گھٹی دیں۔ میں نے اصرار کیا کہ آپ خود ہی گھٹی دیں لیکن حافظ جی نہ مانے اور میری گود میں ڈال دیا۔اس طرح راقم (حبیب اللہ) کو گھٹی حضرت پیر جی نے دی۔ جب کہ میرا نام حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ نے رکھا۔حافظ عبدالرشید رحمتہ اللہ علیہ میرے باپ ہونے کے ساتھ ساتھ میرے اُستاد، میرے دوست اور میرے شیخ کی عدم موجودگی میں میرے شیخ بھی تھے۔میری تربیت میں انھوں نے اِن چاروں رشتوں کو مدنظر رکھا اور اِن چاروں حوالوں سے مجھے کوئی کمی نہ آنے دی۔وہ مجھ سے ایسی گفتگو بھی کر لیتے تھے جو شاید گہرے دوست بھی آپس میں نہ کرتے ہوں۔ مجھے جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں داخل کروایا تو ہر ہفتے کی صبح خود ساہیوال چھوڑ کر آتے اور جمعرات کو ساہیوال سے لے کر آتے تھے۔قرب و جوار میں جہاں کہیں کوئی بزرگ تشریف لاتے تو اکثر مجھے ساتھ لے کر جاتے تھے۔بالخصوص پیرومرشد حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ لاہور سے ملتان تک کسی بھی شہر کمالیہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، گوجرہ، فیصل آباد تشریف لاتے تو ابا جی رحمتہ اللہ علیہ وہاں ضرور حاضر ہوتے اور اکثر مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔

۱۹۸۰ء سے پہلے حجاج کرام کے جہاز کراچی آتے تھے تو حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ کی حج سے واپسی پر استقبال کے لیے جاتے ہوئے متعدد بار میں بھی ساتھ گیا۔ جہاں دیگر احباب اور بزرگوں کے علاوہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ کی میزبانی کا منظر آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔آپ ہر سال ماہ رمضان المبارک کا کم وبیش آخری عشرہ خانقاہ سراجیہ گزارتے تھے اور عیدالفطر ہمیشہ آپ نے خانقاہ شریف میں کی۔اپریل ۲۰۰۳ء میں جب فالج کا حملہ ہوا اور چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو گئے۔ بیماری کے بعد پہلی عیدالفطر آئی تو عید کے روز بلند آواز سے رونے لگ گئے اور فرمایا کہ یہ میرے غرور کی وجہ سے ہوا کہ میں نے سوچ رکھا تھا کہ کوئی بھی عیدالفطر گھر نہیں کروں گا۔عید کے روز اپنے شیخ حضرت خواجہ صاحب سے فون پر بات کی تو یہی عرض کیا اور معذرت کی کہ عید پر خانقاہ شریف حاضر نہیں ہو سکا۔معاملات میں اس قدر فکر مند تھے کہ جب فالج کا حملہ ہوا تو فوراً مجھے فرمایا کہ فلاں جگہ الگ الگ رقم پڑی ہوئی ہیں وہ لے کر آؤ۔ جب میں لے کر حاضر ہوا تو سب کی تفصیل بتائی کہ یہ مسجد، مدرسہ اور فلاں فلاں حساب ہیں، اسے سنبھال لو۔اس کے بعد نمازِ فجر ادا کی اور بعد میں علاج معالجہ شروع ہوا، بیماری کے بعد بھی باقاعدگی سے مطب پر تشریف لائے اور گھر اور مطب پر مریضوں کا جسمانی اور روحانی علاج فرمایا کرتے تھے۔ چلنے پھرنے سے قاصر تھے اور دو آدمی اُٹھا کر گاڑی میں بٹھاتے اور نیچے اُتارتے تھے۔اس حالت میں بھی ۵،۶ گھنٹے تک مطب پر مریضوں کو چیک کرتے تھے اور دائیں ہاتھ سے خود نسخہ لکھ کر دیتے تھے۔ بیماری کے بعد دو چیزوں کی خواہش کا اظہار فرماتے۔ایک خانقاہ سراجیہ کی حاضری اور دوسری ادائیگی عمرہ کے لیے سعودی عرب کا سفر۔اکثر دوست احباب اور علماء کرام ملنے آتے تو اُنہیں دعا کے لیے کہتے اور ساتھ یہ بھی کہتے کہ دعا کرنے کا فائدہ تب ہے جب مجھے بھی پتہ چلے۔حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری صاحب کو اکثر عرض کرتے کہ شاہ جی جب آپ دعا کرتے ہیں، تو مجھے آپ کی توجہ اور دعا کے اثر کا پتہ چل جاتا ہے۔سفر عمرہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں نے عمرہ کے لیے رقوم کا بندوبست کیا ہوا ہے، کسی پریشانی کی ضرورت نہیں۔

محترم بھائی حاجی عبداللطیف صاحب اور میرے بارے میں فرمایا کہ تم دونوں تو پہلے ہی عمرہ کر چکے ہو۔ محترم بھائی جاوید اور ہمشیر صاحبہ نہیں گئی تھیں۔ فرمایا کہ میری نیت ہے کہ تمہاری والدہ، جاوید اور بیٹی کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ میں نے اُداس نظروں سے آپ کی جانب دیکھا تو مسکرا کر فرمانے لگے تو تو ساتھ ہی جائے گا، تیرے بغیر میں کیسے جا سکتا ہوں۔

نومبر ۲۰۰۶ء میں خانقاہ سراجیہ حاضری کے لیے تشریف لے گئے۔ تقریباً ۲۰ ساتھی بھی آپ کے ہمراہ تھے، راستے میں خاصی دیر ہو گئی تھی۔ قابل صد احترام صاحبزادہ خلیل احمد صاحب کو اطلاع دے دی تھی۔ آپ نے قبلہ حضرت صاحب کو بتا دیا تھا، جس کی وجہ سے حضرت خواجہ صاحب باوجود ضعف کے اپنے حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے، جب ہم پہنچے تو والد صاحب (حافظ عبدالرشید) کو دیکھ کر حضرت خواجہ صاحب مُسکرائے اور فرمایا: ''حافظ جی تہانوں چاکھن آئے ہن'' (حافظ جی آپ کو اُٹھا کر لے آئے ہیں) جس کے بعد دونوں حضرات کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، یہ منظر دیدنی تھا۔ کافی دیر خاموش روحانی گفتگو کے بعد جناب حضرت خواجہ صاحب نے خادم سے فرمایا کہ مہمانوں کو کھانا کھلائیں۔ اگلے دن خانقاہ شریف سے واپسی ہوئی تو اپریل ۲۰۰۷ء میں حضرت خواجہ صاحب باگڑ سرگانہ تشریف لائے جہاں والد صاحب نے حضرت خواجہ صاحب سے عمرہ پر جانے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت فرما دی تو پھر پوچھا کہ حضرت میں نے وہیں رہنا ہے، جس پر حضرت خواجہ صاحب نے مسکرا کے فرمایا کہ حافظ جی آپ جائیں اللہ پاک خیر کریں گے۔ پاس بیٹھے صاحبزادہ خلیل صاحب نے فرمایا کہ حافظ جی اس سے اچھی کیا بات ہے تو والد صاحب نے عرض کیا کہ میں تو ہر وقت تیار ہوں، صرف حضرت کی اجازت درکار تھی۔ اور پھر ہم ۲۵ رمئی ۲۰۰۷ء کو براستہ کراچی مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ خیال تھا کہ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد حرم شریف جائیں گے لیکن ابا جی رحمتہ اللہ علیہ کو بہت جلدی تھی اور اس طرح ہم فوراً ہی حرم شریف پہنچ گئے، عمرہ ادا کیا۔ ۳ روز مکہ مکرمہ رُکے، اس کے بعد ۲۷ رمئی کو ہمارے مہربان دوست حافظ محمد رفیق ہمیں مدینہ منورہ لے گئے۔ وہاں بھی ۴ روز قیام کیا۔ روزانہ مسجد نبوی شریف لے جاتے تھے کہ جون ۲۰۰۷ء (۱۵ رجمادی الاوّل ۱۴۲۸ھ) بروز جمعتہ المبارک صبح ۷ بجے اچانک اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انتقال سے دو روز پہلے راقم کی والدہ صاحبہ سے فرمایا کہ یہاں رہنے کا ارادہ ہو تو دعا کر لینا، یہاں دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ اگلے روز پھر پوچھا کہ دعا کی ہے۔ تو والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ دعا نہیں کی کہ موت مانگنا میرے خیال میں اچھا نہیں۔ ویسے اللہ پاک یہیں رکھ لیں تو بالکل حاضر ہوں تو ابا جی نے فرمایا کہ مانگے بغیر بات نہیں بنے گی اور پھر پوچھا کہ اپنے والدین کو کوئی پیغام دینا ہو تو بتا دیں۔

آپ کے انتقال کے بعد جمعتہ المبارک کو ضروری کاغذی کارروائی کرتے دن گزر گیا۔ اگلے روز ۲ رجون بروز ہفتہ نماز فجر کے بعد مسجد نبوی شریف میں نماز جنازہ ادا ہوا اور جنت البقیع کے اس قدیم حصہ میں تدفین ہوئی جہاں غزوۂ احد میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبور مبارک ہیں۔ تدفین کے بعد میں نے ابا جی کے قدموں کی جانب کھڑے ہو کر دیکھا تو بالکل سامنے گنبد خضرا نظر آ رہا تھا۔ آپ حقیقی طور پر فنافی الشیخ تھے اور اپنے شیخ، خانقاہ سراجیہ اور تحریک ختم نبوت سے تعلق و محبت رکھنے والوں سے عشق کی حد تک محبت کرتے تھے۔ جس کے صدقہ میں اللہ پاک نے گنبدِ خضرا کے سائے میں جگہ عطا فرما دی۔